جناب لیفٹننٹ کرنل (ر) محمد اعظم صاحب

اعلان واشنگٹن اور اس کے تباہ کن اثرات

اعلان واشنگٹن کے بعد اس کے حسن وقبح کے بارے میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر اس تواتر سے لکھا اور کہا جارہا ہے کہ ایک باشعور قاری صرف اسقدر سمجھ سکا ہے کہ ہم ایک بار پھر اسی سوراخ سے ڈسے گئے ہیں جسکا تجربہ ہمیں دو تین بار پہلے بھی ہو چکا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ اکتوبر 1962ء میں ہی چین، بھارت جنگ کے دوران حل ہو چکا ہوتا اگر امریکہ کے صدر جان کینیڈی بیچ میں پڑ کر صدر ایوب خان کو مجبور نہ کرتے کہ بھارت برے حال میں ہے اور پاکستان کی طرف سے کوئی فوجی کاروائی مناسب نہ ہوگی۔ اور ساتھ یہ وعدہ کہ جنگ کے بعد صدر امریکہ خود کشمیر کا مسئلہ حل کروانے میں مدد دیں گے۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اس کے بعد بھٹو، سورن سنگھ مذاکرات میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے مارشل چن ژی کی وہ بات آج تک نہیں بھول سکی جو انہوں نے اکتوبر 62ء کی چین بھارت جنگ کے بعد ایک شام لاہور جیم خانہ کی بار پر پاک فوج کے جونیر افسروں سے باتیں کرتے ہوئے کہی تھی۔ وہ ان دنوں چواین لائی کے ساتھ پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ مارشل چن ژی کے الفاظ کچھ یوں تھے کہ تاریخ نے کشمیر حاصل کرنے کا ایک سنہری موقع آپ کو اکتوبر 1962ء میں دیا تھا جس کا فائدہ اٹھانے سے آپ قاصر رہے۔ ایسے مواقع قوموں کو صدیوں میں صرف ایک آدھ بار ہی ملتے ہیں اور وہ موقع آپ نے کھو دیا ہے۔ چن ژی کے یہ الفاظ کس قدر حقیقت پر مبنی تھے۔ وقت نے ثابت کر دیا ہے۔ 65ء کی جنگ جس میں ہمارا پلڑہ بھاری تھا مگر روس امریکہ گٹھ جوڑ کے نتیجے میں تاشقند کے مذاکرات کی میز پر یہ جنگ ہم نے ہار دی۔ اور کشمیر کے مسئلے کو بین الاقوامی سطح سے نیچے اتار کر اسے دو طرفہ مسئلہ بنا دیا۔ یہ کام ہم نے شملہ معاہدے میں بھی کیا۔ ہنری کسنجر اور رچرڈ نکسن کی تحریریں گواہ ہیں کہ پاکستان کو دولخت کرنے میں امریکی اسٹیبلشمنٹ کا کس قدر عمل دخل تھا۔ بلکہ روس اور امریکہ اس مسئلے پر مکمل طور پر ہم خیال تھے۔ چین نے اپنی مجبوری ظاہر کر کے مشرقی پاکستان کا مسئلہ سیاسی

بنیادوں پر حل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جس پر ہم عمل نہ کر سکے۔ 65ء اور 71ء کی جنگوں کے دوران امریکہ نے پاکستان کی فوجی امداد بند کر دی تھی اور 71ء کی جنگ کے دنوں میں امریکی بحری بیڑہ خلیج بنگال میں آگے پیچھے ہوتا رہا اور اس انتظار میں تھا کہ ڈھاکہ کا سقوط کب ہوتا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔ مگر ہم دو نہیں کئی بار ڈسے جا چکے ہیں اور آئندہ بھی اسی طرح ڈسے جاتے رہیں گے چاہے وہ ستمبر میں سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں کا معاملہ ہو یا اکتوبر کے بعد کشمیر سے متعلق کسی ممکنہ حل کی بات ہو۔ ہمارے حکمران چاہے وہ کسی بھی سیاسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ پچھلے چالیس سال سے امریکہ کی کاسہ لیسی ان کا مطمع نظر رہی ہے اور امریکہ کی خوشنودی ان کا حاصل زندگی۔ عوامی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے ہمارے حکمران شاید یہ نہیں جانتے کہ اگر وہ آج امریکہ سے تعلقات کے بارے میں رائے شماری کروا کے دیکھیں تو انہیں حیرت ہوگی کہ ملک کی پڑھی لکھی آبادی کا ۹۰ فیصد حصہ امریکہ کے خلاف ووٹ دے گا۔ ایران' عراق' لیبیا' سوڈان' شمالی کوریا وغیرہ امریکہ مخالف رویے کے باوجود نہ صرف دنیا کے نقشے موجود ہیں بلکہ اقوام عالم میں ایک باوقار مقام رکھتے ہیں۔ مگر ہم یہ مقام حاصل نہ کر سکے۔ باوجود اس کے کہ ہمارے مادی اور انسانی وسائل ان ممالک سے بدرجہا بہتر ہیں۔

کارگل کی دس ہفتے کی لڑائی ہم نے فوجی اور اخلاقی فتح کے باوجود ہار دی ہے۔ دنیا کی چوتھی بڑی فوج کو ان چند ہفتوں میں جو مار پڑی ہے اس نے ان کی سیاسی فوجی اور انتظامی لیڈر شپ کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ بھارتی فوج کی انسانی جانوں کا اتلاف 65ء اور 71ء کی جنگوں کی مجموعی تعداد سے کہیں زیادہ تھا۔ اور یہ ہماری عسکری اہلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بھارت میں بوکھلاہٹ کے اس عالم میں ہر کوئی اپنی اپنی بولی بول رہا تھا۔ واجپائی کچھ کہہ رہا تھا تو جارج فرنینڈس کچھ۔ بھارتی آرمی چیف اور ان کی فوجی قیادت اس نتیجے پر پہنچ چکی تھی کہ کارگل کی چوٹیاں خالی کرانے میں انہیں مہینوں لگ سکتے ہیں۔ انہیں کبھی مجاہدین کی تعداد سینکڑوں میں نظر آتی تھی اور کبھی ہزاروں میں۔ کارگل میں مرنے والے بھارتی فوجیوں کی تعداد سترہ سو کی حد سے بڑھ چکی تھی۔ اور ستر ہوائی جہازوں کا بے دریغ استعمال اور بے فراور دوسری تین سو توپوں کی گولہ باری سے تقریباً اٹھارہ ارب روپے کا اضافی

بوجھ آپریشن "وجے" کی وجہ سے بھارتی بجٹ پر پڑ چکا تھا۔ کہ اعلان واشنگٹن نے بھارت کو مزید بوجھ سے بچالیا۔ بھارت کا الیکٹرانک میڈیا اور ان کے اخبار جھوٹ بول بول کر ملک میں جنگی جنون پیدا کرتے رہے۔ اور دن رات اپنی فتوحات کی فرضی کہانیاں گھڑ گھڑ کر بھارتی عوام کو سناتے رہے۔ اور زندہ پاکستانی فوجی افسروں کی نماز جنازہ میں سجدے کر کر کے دنیا کو اپنی مذہبی رواداری اور عالی ظرفی کے مناظر دکھاتے رہے۔ مگر جھوٹ کے پاؤں کہاں ہوتے ہیں؟ بھارت نے نے دروغ گوئی کے وہ معیار قائم کئے کہ گوئیبلز کی روح تک عش عش کر اٹھی ہوگی۔ یہ جھوٹ بھارت نے بین الاقوامی برادری تک اس فنکاری سے پہنچایا کہ ہم دنیا میں اکیلے ہو کر رہ گئے۔ ہر فورم پر پاکستان سے یہ ڈیمانڈ ہونے لگی کہ لائن آف کنٹرول کا تقدس بحال کیا جائے۔ گویا لائن آف کنٹرول متنازعہ علاقہ کی عارضی جنگ بندی لائن نہیں بلکہ ایک مسلمہ مستقل بین الاقوامی سرحد ہو۔ بھارت لائن آف کنٹرول کے احترام کا مسئلہ اس چالاکی سے سامنے لایا کہ مرکزی ایشو کشمیر بیک گراؤنڈ میں چلا گیا اور لائن آف کنٹرول کی اہمیت اجاگر ہوتی چلی گئی۔ یہ نقصان ہمیں پہلے سے ہوم ورک نہ کرنے اور سفارتی سطح پر مکمل ناکامی کے باعث ہوا۔ اور اس کی پوری ذمہ داری وزارت خارجہ پر عائد ہوتی ہے۔ ہمارا فارن آفس کوئی قابل ذکر کارگذاری نہ دکھا سکا۔ ہمارے سفارتکار حسب معمول ڈالر جمع کرنے اور اسی قسم کے دوسرے غیر سفارتی مشاغل میں مصروف رہے اور دنیا کو یہ باور کرانے میں ناکام رہے کہ ہم حق پر تھے۔ ہماری اسی کمزوری نے ہمیں 65ء کی جنگ میں نقصان پہنچایا تھا اور یہی کمزوری مشرقی پاکستان میں ہماری شکست کا باعث بنی۔

پڑھے لکھے طبقے کے ذہنوں میں اکثر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کشمیر کے مجاہدین تو وادی کے اندر برسرپیکار تھے اور اپنا جہاد جاری رکھے ہوئے تھے ان کی تحریک میں کوئی جھول یا کسی کمزوری کے آثار نظر نہیں آرہے تھے تو پھر کارگل کا محاذ کھولنے کی کیا ضرورت تھی جس کی جنگ بندی کرانے کیلئے ہمارے وزیراعظم کو صدر کلنٹن کی خدمت میں پیش ہونا پڑا۔ یہ درخواست تو بھارت کو کرنی چاہئیے تھی جنہیں مار پڑ رہی تھی اور جن کے نقصانات ناقابل برداشت ہوتے جارہے تھے۔ سن 48ء اور سن 65ء کی جنگ بندی کیلئے بھی تو بھارت ہی اقوام متحدہ سے ملتجی ہوا تھا۔ ہماری

حکومت کا یہ دعویٰ کہ ہم نے بر صغیر کو ایٹمی جنگ سے بچالیا ہے درست نہیں۔ بھارت کے آرمی چیف کے اصرار کے باوجود کہ اسے سنیز فائر لائن پر ایک اور محاذ کھولنے کی اجازت دی جائے تاکہ کارگل پر دباؤ کم کیا جاسکے۔ مگر بھارتی حکومت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اس تناظر میں بین الاقوامی سرحدوں پر فوج کشی کے ممکنات بہت کم تھے کہ بھارت اس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ کھلی جنگ میں عین ممکن تھا کہ کشمیر بھارت کے ہاتھ سے نکل جاتا اور تقریباً وہی کہانی دہرادی جاتی جو مشرقی پاکستان کے سقوط کا باعث بن گئی تھی۔

پچھلی 54 سالہ عالمی تاریخ نے ثابت کر دیا ہے کہ ایٹمی جنگ ہر فریق کے پاس ایٹمی قوت کی موجودگی کے باعث کبھی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس جنگ کو روکنے والی طاقتیں زیادہ وسائل اور زیادہ ذرائع رکھتی ہیں۔ اور دنیا کے بارے میں پل پل کی خبریں ان کے سیٹلائٹ ان کو دیتے رہتے ہیں۔ ایک امریکن عسکری ادارہ پاک بھارت جنگی مشقوں کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ روایتی جنگ میں شکست کی صورت میں پاکستان ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے میں پہل کرے گا۔ عسکری ادارے کی یہ کوئی بڑی دریافت نہیں تھی کیونکہ پاکستان جو بھارت کے مقابلہ میں ایک چھوٹا ملک ہے اپنی ملکی سالمیت اور بقا کیلئے کسی بھی حد تک جاسکتا ہے۔ پاکستان نے ایٹم بم شوکیس میں سجانے کیلئے نہیں بنایا سن 73ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے عربوں کے خلاف صرف ایٹمی دھمکی کے طفیل اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور چار عرب ملکوں کے خلاف ایٹم بم کے پھینکے جانے کے صرف 20 منٹ پہلے امریکہ کو اسرائیل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیا ہم میں اتنی بھی اہلیت نہیں ہے۔ ہم تو بھارت کے خلاف کارگل سمیت ۴ جنگوں کا تجربہ اور نظریاتی اور عسکری لحاظ سے بہترین تربیت یافتہ فوج رکھتے ہیں جو پچھلے باون برس سے اس ملک کی بقا کی ضامن چلی آرہی ہے۔ ورنہ ہماری سیاسی حکومتوں اور نوکر شاہی نے تو اس ملک کو انتشار کے حوالے کرنے اور دنیا کے نقشے سے مٹا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ہم نے تمام تجربے کر لئے ہیں۔ اگر جمہوری نظام نافذ کر کے اپنے اوپر ایک ڈکٹیٹر ہی مسلط کرنا تھا تو ایوب خان یا ضیاء الحق کیا برا تھا۔ کم از کم ان کی حب الوطنی تو شک وشبے سے بالاتر تھی۔ اور دوسرے وہ ایسے ادارے قائم کر کے

ایسے کارہائے نمایاں کر گئے ہیں جو اس ملک کی شناخت اور اس کے افتخار کا باعث بنے۔

کارگل کا ڈراپ سین ہو چکا ہے۔ اس تمام مشق میں ہم نے کیا کھویا کیا پایا؟ نتیجہ کے طور پر صرف دو انتہائی نقطہ نظر سامنے آئے ہیں۔ حکومت کے نقطہ نظر سے ملک کو ایٹمی جنگ سے بچالیا گیا ہے اور مسئلہ کشمیر کو انٹرنیشلائز کر دیا گیا ہے۔ مخالفین کا کہنا ہے کہ اگر ملک کو بچانا ہی تھا تو کارگل آپریشن شروع کیوں کیا گیا۔ مسئلہ کشمیر جو بین الاقوامی مسئلہ تھا ہم نے خود اسے دو فریقی مسئلہ بنایا اس میں کسی دوسرے ملک کا کوئی حصہ نہیں۔ کشمیری مجاہدین پچھلے دس سال سے اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہ جنگ ویٹ نام نے تیس سال تک لڑی۔ پاکستانی عوام کشمیریوں کے ساتھ جانی مالی ہر طرح کی معاونت کر رہے ہیں۔ اور ان کی جنگ میں افغان' عرب' سوڈانی اور کئی دوسرے ممالک کے مجاہدوں کے شانہ بشانہ بطور والنٹیر اپنے طور پر جہاد میں شریک ہیں۔ یہ مسئلہ آج نہیں تو کل بین الاقوامی فورم پر آجائے گا۔ اس کیلئے کارگل کی طرح کا آپریشن ضروری نہیں تھا۔ اور اگر مجاہدین نے یہ چوٹیاں قبضہ کر لی تھیں تو ان کو اپنی لڑائی لڑنے دیا جاتا۔ انہوں نے تو در اس کارگل کی بھارتی شہ رگ پر اپنے پاؤں رکھ دیئے تھے۔ تکلیف بھارت کو ہو رہی تھی اور وہ ہمت ہار بیٹھے تھے۔ سردیاں آنے دیتے جو ہوتا مئی سن 2000ء میں دیکھا جاتا۔ بھارت کی تقریباً 35 ہزار فوج گھیرے میں آرہی تھی جن کیلئے راشن' اسلحہ اور گولہ بارود پہنچانے کا کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔ بھارت بزور یہ چوٹیاں خالی کروانے سے قاصر تھا۔ وہ اپنے طور پر اپنا سر ان پہاڑوں سے ٹکڑا ٹکرا کر بے سُدھ ہوتا جارہا تھا مگر اعلان واشنگٹن نے اس کا مسئلہ حل کر دیا۔ وہ چوٹیاں جو وہ اپنے طور پر حاصل کرنے کے قابل نہ تھا امریکہ بہادر نے اسے تحفتاً پیش کر دیں۔ جس کو اب وہ آپریشن وجے کی کامیابی کے طور پر میڈیا پر پیش کر رہا ہے۔

جمہوری طرز حکومت کو دنیا بھر میں اس لئے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ اس میں فرد واحد فیصلے نہیں کرتا بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق شورائیت کی بنیاد پر فیصلے کئے جاتے ہیں۔ فرد واحد عقل کل نہیں ہوتا۔ وہ اکیلا انسان غلطی کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔ اس کو مجلس شوریٰ' قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ کی سربراہی اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ ان کو بھی مشوروں میں شامل

رکھے اور ان کی عقل و فہم اور سمجھ بوجھ سے استفادہ کرے۔ ورنہ آمریت اور جمہوریت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ قومی ادارہ چاہے وہ صدر مملکت کا ہو' مقننہ کا ہو' انتظامیہ کا ہو' عدلیہ کا ہو یا دفاع کا ہو وہ اپنے اپنے شعبوں کے ماہر ہیں۔ انہیں آزادی سے اپنا کام کرنے دیا جائے۔ تو اس سے توازن قائم رہتا ہے۔ انہیں بے دست وپا نہ کیا جائے۔ ورنہ چیک اور بیلنس کی عدم موجودگی میں معاشرے پر تباہ کن اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ جمہوری آمریت ڈکٹیٹر شپ سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ مشورہ سے کام کرنا اللہ کو پسند ہے۔ چاہے وہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ نبی کریم ﷺ مہمات امور میں برابر صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے تھے اور صحابہ کرامؓ آپس میں مشورہ کرتے تھے۔ حروب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل اور احکام کی نسبت بھی بلکہ خلافت راشدہؓ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔ آئیں اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور دیکھیں کہ ہمارا سربراہ حکومت اسوہ رسول اللہ ﷺ پر کس حد تک کاربند ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قومی خدمت ایک عبادت ہے اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

Servis